

صلیبیوں اور صہیونیوں کی قرآن دشمنی

”پرانے جال‘نئے ہتھکنڈے بدلتے طریق واردات“

ایک جائزہ

_____ پروفیسر حافظ احمد یار

اگر ہم اسلام کے سابقین اولون کے قبول اسلام کے واقعات پڑھیں تو یہ بات واضح ہے کہ اسلام کے آغاز میں جو اہل لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اور دعوت اسلام کی حقانیت اور صداقت کا قائل کر کے شرح صدر کے ساتھ دائرہ اسلام میں لانے کا موثر باعث بنے، ان میں سرفہرست دو عامل تھے۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور پاکیزہ کردار _____ دو سرا قرآن کریم کا بلند پایہ ادبی اسلوب اور اس کی فطری تعلیمات۔

اور عصر نبوت سے لے کر آج تک یہی دو عامل _____ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن _____ سعید روحوں کو اسلام کی طرف لانے کا باعث بنتے رہے ہیں۔ اور اس حقیقت کی تصدیق آج بھی ایشیا اور افریقہ کے علاوہ یورپ اور امریکہ کے بہت سے پڑھے لکھے اشخاص کے قبول اسلام کے واقعات سے ہوتی ہے۔^(۱)

غالباً اسلام میں قرآن اور پیغمبر ﷺ کی اس مرکزی اہمیت کی بناء پر ہی دشمنان اسلام نے ہمیشہ ان دو _____ اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب _____ کو ہی اپنے معاندانہ شبہات و اعتراضات اور جاہلانہ تعصبات و خرافات کا ہدف بنایا ہے۔

عصر نبوت خصوصاً مکی دور میں معاصر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور نیرت پر تو کہیں انگلی تک رکھنے کی پوزیشن میں نہ تھے کہ نبوت سے پہلے سب آپ کو صادق اور امین کا لقب دے چکے تھے۔ تاہم نبوت اور دعوت اسلام کے بعد انہوں نے

آنحضور ﷺ کو شاعر، کاہن، مسور، مجنون، کذاب اور مفتری تک کہنے اور مشہور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور خود قرآن کریم کو اساطیر الاولین (دیومالائی کہانیاں) کا ہمانہ بھٹات، شاعرانہ تخیلات و تعلیقات اور خود ساختہ یا آموختہ افتراءات ہی سمجھتے اور کہتے رہے۔ بلکہ قرآن میں اپنی مرضی کی بعض تبدیلیوں کا مطالبہ کرنے کے علاوہ شعور و غوغا اور ہنگامہ آرائی کے ذریعے قرآن کی دعوت — بلکہ عبارت تک — کو لوگوں کے کانوں تک پہنچنے میں رکاوٹیں بھی ڈالتے رہے، پیغمبر خدا اور قرآن کے خلاف معاصر کفار کی ان معاندانہ باتوں اور مخالفانہ کوششوں کا ذکر خود قرآن کریم میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ ان ہی میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو گزشتہ چودہ سو برس سے دشمنان اسلام عبارات و الفاظ اور اسالیب بیان بدل بدل کر دہراتے

© rasailojaraid.

عہد نبوی کے اختتام تک اندرون عرب طاقتور یہودی قبائل اپنے اسلام دشمن سازشی کردار کے باوجود (بلکہ اسی کے باعث) مغلوب ہو چکے تھے اور اس وقت کی سب سے بڑی صلیبی حکومت — بزنطینی رومی امپائر — کے ساتھ جنگوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور آگے چل کر خلافت راشدہ کے آخر تک اس بزنطینی سلطنت کے بیشتر ایشیائی اور افریقی مقبوضات اسلامی حکومت (خلافت) کے زیر نگیں آ گئے تھے اور بچی کچی بزنطینی (مسیحی) حکومت بھی دفاعی پوزیشن میں آ گئی تھی — دوسری طرف ایران کی (مجوسی) شہنشاہیت (جو صدیوں بزنطینی سلطنت کے مد مقابل دوسری عالمی طاقت رہی تھی) کا بھی نام و نشان مٹ گیا اور اس کے تمام علاقے بھی اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔

اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلام عرب سے نکل کر ایرانی (مجوسی) اور بزنطینی (صلیبی) سلطنتوں کے ان سابقہ مقبوضات (جو اب اسلامی مفتوحہ علاقے بنے) میں اس تیزی اور قوت سے پھیلا کہ جزیرہ نمائے عرب کے بعد یہی خطے آج تک مسلم اکثریت کے علاقے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے مرکز چلے آتے ہیں۔

اسلام کے سیاسی غلبہ کے اس اولین دور میں مجوسی، مسیحی اور یہودی عناصر اسلام کے عاجز رہ گئے تو ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام کا لبادہ

© rasailojaraid.

اوڑھ کر، مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے نت نئے جال پھیلاتا شروع کر دیئے، جن کا مقصد مسلمانوں کی صفوں میں سیاسی افتراق و انتشار کے بیج بونا تھا۔ جس کی ایک مثال (بظاہر نو مسلم) یعنی یہودی عبد اللہ بن سبا کی وہ شیطانی چالیں تھیں، جن کے نتائج بالا خر خلافت راشدہ کے آخری دور میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

پھر جب اس افتراق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مختلف سیاسی گروہوں — شیعہ، سنی، خوارج وغیرہ — نے مذہبی فرقوں کی شکل اختیار کی تو اختلافات میں جذباتی شدت پیدا ہونے لگی۔ اور اس کے ساتھ ہی مختلف مذاہب و ملل کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے جو دانستہ یا نادانستہ، شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے سابقہ عقائد و خیالات کے اثرات بھی ساتھ لائے اور یوں نئے فتنوں کے دروازے کھلنے کا سبب بننے لگے۔ مثلاً: —

مجوسی زندقت اور باطنیت نے زیادہ تر قرآن کے تشابہات کی فتنہ انگیز تاویل کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے موزوں پایا۔ اور یہودی و مسیحی عناصر نے اپنے سابقہ ”علم کتاب“ کی آڑ میں قرآن مجید کے مجمل کی تفصیل کے لئے اسرائیلیات کو رواج دینا شروع کیا۔

اور باہم مخالف و متضاد نظریات کے حاملین نے اپنی اپنی تائید کے لئے اگرچہ عموماً قرآن ہی کی آیات سے دلائل ڈھونڈنے کے لئے ایک طرح سے تحریف معنوی کا سہارا لیا۔ تاہم حفاظت متن قرآن کا جو نظام بذریعہ حفظ قرآن عہد نبوت سے اور بذریعہ رسم قرآن عہد عثمانی سے قائم ہو چکا تھا۔ جس پر ابھی آگے کچھ مزید بات ہوگی۔ اس نظام کی وجہ سے ایسے لوگوں کے لئے — اپنے مزعومات کے مطابق — قرآن میں کسی قسم کی تحریف لفظی کی نقب لگانے کی گنجائش بلکہ امکان تک نہ تھا۔ اس لئے اس مقصد (تائیدی دلائل کے حصول) کے لئے ایسے عناصر بغیر اور صحابہؓ کی طرف منسوب روایات بھی گھڑنے لگے، یعنی وضع حدیث کا کام بھی شروع ہو گیا۔

لوگوں میں زیادہ تر عربی زبان کی اس مہارت اور طبعی

ذوق سے محروم تھے جو قرآن کے مخاطبین اولین کا طرہ امتیاز تھا۔ عربی زبان کے اس ”نیم پختہ“ علم کی وجہ سے اور اپنے اندر کے پوشیدہ فساد انگیز جراثیم کے زیر اثر نصوص کے صحیح فہم سے قاصر رہ کر یا تو ان نصوص پر اعتراض کرنے لگے اور یا پھر ان نصوص کو من مانے معنی پہنانے لگے۔

اس طرح مختلف اسباب و عناصر اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے — بلکہ دین کی اصل بنیاد یعنی خود قرآن کریم کو طعن و تشکیک کا ہدف بنانے کی راہ ہموار کرنے لگے۔ اور اگرچہ علمائے حق کی ایک کثیر تعداد نے ہمیشہ ایسے لوگوں کی مفسدانہ تاویلات، موضوع روایات، ہر قسم کے اعتراضات و شبہات اور باطل مزعومات کے عقلاً اعتقاد لعل علمی اور کافی و شافی جواب دے کر اتمام حجت کر دیا ہے ^(۱) تاہم فلسفہ کذب و افتراء اور فن افواہ سازی کے اس اصول کے تحت کہ ”بکفرت جھوٹ پھیلاؤ۔ ہر ایک جگہ اور ہر جگہ کے آگے جھوٹ بکھارے“ جھوٹ کو باور کرنے والے کچھ لوگ مل ہی جائیں گے، ورنہ کم از کم سچ اور حقیقت کے بارے میں شک و شبہ تو ضرور پیدا ہو گا۔ ویسے بھی بقول کسے ”جھوٹ آدمی دنیا کا سفر طے کر لیتا ہے جبکہ سچ ابھی تسے باندھ رہا ہوتا ہے“ — اس اصول کے تحت دشمنان اسلام و قرآن ہمیشہ ایک ہی قسم کی باتوں کو بار بار اور بکفرت تکرار کے ساتھ نئی مغالطہ آمیزی (fallacy) اور وسوسہ انگیز دلیل بازی (sophistry) کے ذریعے کم علم اور ضعیف الایمان لوگوں کو ذہنی خلفشار اور نفسیاتی قلق و اضطراب میں مبتلا کر کے راہ حق سے گمراہ کرتے چلے آئے ہیں جس کا کچھ تذکرہ آگے آئے گا (اور دراصل تو یہی — تذکرہ اور جائزہ ہی — زیر نظر سطور کا مقصد تحریر ہے)۔

مختلف سیاسی گروہ بندیوں اور دیگر عوامل کی وجہ سے (جن کی طرف ابھی اوپر اشارہ کیا گیا ہے) امت میں فتنہ و گمراہی اور سازشوں کے نت نئے دروازے کھل جانے کے باوجود — ابتداء میں اسلامی حکومت اور معاشرے کے دب دبے کی وجہ سے (کم از کم پہلی صدی ہجری کے آخر تک) کسی کو قرآن پر کھلم کھلا زبان طعن کھولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ پھر جب ایسے حکمران آئے جن کی ترجیحات میں کرسی یا اقتدار کو اولیت اور دین و

قرآن کو ثانوی حیثیت دی جانے لگی تو قرآن پر طعن کرنے والوں کے حوصلے بڑھنے لگے۔ غالباً قرآن کریم پر کھلم کھلا زبان طعن دراز کرنے والا پہلا شخص الجحد بن درہم (ت ۱۲۴ھ) تھا جو آخری اموی خلیفہ مروان الحمار (ت ۱۳۲ھ) کا اتالیق بھی رہ چکا تھا اور کچھ عرصہ عراق کا گورنر بھی رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص طاہر اللہ نامی کسی یہودی کی صحبت بد سے متاثر تھا اور اس کی گمراہیوں میں سے نمایاں بات یہ تھی کہ اس نے قرآن کے معجزہ ہونے کا انکار کیا اور کہا قرآن جیسی کتاب (بمعاظ زبان و اسلوب) لکھنا ناممکن نہیں۔ (۳)

عباسی دور میں تفرقہ اور فرقہ واریت بہت بڑھ گئی اور کلامی تنازعات کی گرمی انتہا کو چھونے لگی۔ امت کئی فرقوں میں تو بٹ ہی گئی تھی، ہر فرقہ میں سے بھی متعدد گروہ فرقہ در فرقہ کی صورت میں برآمد ہوئے۔ مثلاً معتزلہ کے تئیں کے قریب گروہ، شیعہ کے بائیں گروہ، گروہ اور گروہ کے ملک سے زیادہ گروہ بن گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک گروہ دوسرے فرقوں کے علاوہ خود اپنے ہی فرقہ کے دوسرے گروہوں کی تکفیر بھی کرتا تھا۔ ان فرقوں اور ان کے گروہوں کے بارے میں تفصیلات ”الملل والنحل“ کی قسم کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ان مختلف گروہوں اور فرقوں نے اپنی اپنی اغراض کے لئے قرآن کریم کو بھی طعن و تھلک کا نشانہ بنایا۔ مثلاً شیعہ کے بعض عالی گروہوں نے قرآن میں تبدیل و تحریف اور کمی یا زیادتی کی باتیں کیں (۴) اور جن کا بہت سے اہل علم امامیہ نے انکار کیا ہے (۵)۔ خوارج کا ایک گروہ (جن کو عبادۃ کہتے ہیں) سورۃ یوسف کو قرآن کا حصہ تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس طرح بعض ملاحدہ اور اہل زلیغ کو قرآن کریم میں ”لحن“ (لغوی یا نحوی اغلاط) اور بعض کو کاتبوں کی ”لغزشیں“ نظر آنے لگیں۔ اور اس مقصد کے لئے ایسی خود ساختہ روایات تراشی اور پھیلائی گئیں جو آج تک دشمنان قرآن کے لئے نمونہ اور سہارا چلی آتی ہیں (۶)۔

قرآن کریم میں طعن و تھلک کی ان ساری کوششوں اور روایتوں کی اشاعت کے باوجود کسی فرقے یا گروہ کو اپنی دل خوش کن روایات اور مزعومات کے علی الرغم اپنا الگ

نسخہ قرآن (مصحف) تیار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی، حالانکہ اس وقت عالم اسلام چین سے اندلس (سپین) تک اور کوہ قاف (کاکیشیا) سے بحر ہند کے ساحلوں تک پھیل چکا تھا اور بعض خاص علاقوں میں بعض خاص فرقے واضح اکثریت میں تھے، مثلاً عمان (مشرقی عرب) میں ہمیشہ خوارج کا زور رہا ہے اور ایران کے بیشتر علاقوں میں ہمیشہ شیعہ اکثریت رہی ہے۔ اور اس زمانے میں اگر کسی دور افتادہ علاقے میں کوئی الگ اور مختلف نسخہ قرآن تیار کر دیا جاتا تو دور دراز کے اسلامی علاقوں پر — اس زمانے کے وسائل اطلاعات و مواصلات کے مطابق — تو شاید خبر بھی نہ ہو سکتی۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی فرقے یا گروہ کو اپنے مزعومات (اگر کچھ تھے بھی) کے مطابق اپنا کوئی الگ نسخہ قرآن تیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی یا خیال تک نہ آیا۔ اور مفعولائے آیت قرآنی ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ یہ بات قرآن کریم کے منجانب اللہ محفوظ ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

اور یہ قرآن کریم کا ایک زندہ اور دائمی معجزہ ہے کہ امت میں اتنے اور ایسے فرقوں کے ہوتے ہوئے جن میں باہمی تکفیر کی حد تک نفرت اور عناد موجود تھا — اور جن میں سے بعض تو قرآن کریم کی صحت اور حفاظت تک کے بارے میں طعن و تشکیک پر مبنی روایات و حکایات کے علمبردار بھی تھے — ایسے حالات میں تو بقول ”الرافعی“ قرآن کریم کی کوئی آیت بلکہ لفظ بھی تحریف و تبدیل سے بچ نہ سکتا، چہ جائیکہ پوری امت اور اس کے (باہم متخاصم اور متنازع) تمام فرقے — ایک ہی خدا اور ایک ہی آخری رسول (ﷺ) کی طرح — ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ایک ہی قرآن پر متفق اور متحد چلے آتے ہیں^(۷) — اور اس حقیقت کا قائل بعض غیر مسلم مستشرقین کو بھی ہونا پڑا ہے^(۸)۔

قرآنی نص (text) کی اس لاجواب اور بے مثال توثیق و توحید (صحت اور وحدت) کا سبب وہ بے خطا (fool proof) اور خود کاری کی حد تک (automatic) جامع اور مربوط نظام حفاظت ہے جس کی بنیاد تین بیک وقت (simultaneous) جاری اور

(۳) اس محفوظ و مکتوب کی مسلسل تلاوت (پڑھتے رہنا) ^(۹) — اور کسی بھی عبارت یا کتاب کی صحت و حفاظت کی اس سے بڑی ضمانت اور گارنٹی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے یاد بھی کر لیا جائے، لکھ بھی لیا جائے اور اس کا مسلسل پڑھنا بھی جاری رہے۔ اور صرف قرآن کریم ہی کے بارے میں یہ سہ گانہ نظام حفاظت موجود ہے۔

قرآن کریم دنیا بھر کی واحد دینی کتاب ہے جو تمامہ مکمل یعنی پوری کی پوری کتاب حفظ اور زبانی یاد کر لینے کا قریباً پیشہ ورانہ نظام (guild) کی طرح کا وسیع رواج بطور ایک مستقل ادارہ (institution) کے قائم چلا آتا ہے — اور یہی وجہ ہے کہ متن قرآن کی صحت کے بارے میں محض تحریر اور کتابت پر کبھی اعتماد نہیں کیا جاتا، بلکہ اصل اعتماد ہمیشہ حفظ اور استظهار قلب (memorization) پر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ مکتوبہ (یا مطبوعہ نسخہ قرآن) کے صحیح و غلط کا ہمیشہ حفاظ سے ہی کرائی جاتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ حفاظ قرآن کا — حفظ، کتابت اور تلاوت پر مشتمل — یہ سہ گانہ نظام عہد نبوت سے — بلکہ ابتدائے نبوت اور آغاز وحی سے — شروع ہوا۔ ہر نئی وحی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے خود حفظ کر لیتے تھے — اس کے بعد اسے آگے لکھانے، پڑھانے اور حفظ کرانے کا کام چلتا تھا۔ جو صحابہؓ آنحضرت ﷺ سے براہ راست بذریعہ تلقی و سماع (سن کر سیکھ لینا) قرآنی وحی کو یاد کر لیتے یا لکھ لیتے تھے وہ پھر آگے اسے اپنے حلقے (احباب یا اہل و عیال) میں اسی طرح آگے پھیلاتے۔ بعض دفعہ آنحضرت ﷺ خاص صحابہ کو اس کام پر مامور فرما دیتے تھے، جس کی ایک مثال حضرت معب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کو قبل از ہجرت تعلیم قرآن کے لئے مدینہ بھیجنا ہے۔ بعد از ہجرت مدینہ میں نووارد مسلمانوں کو (بذریعہ کتابت و حفظ) قرآن سیکھنے کے لئے حفاظ صحابہ کے ذمے لگا دیا جاتا تھا۔ بعض دفعہ آنحضرت ﷺ صحابہ سے حفظ کردہ قرآن خود بھی سنتے تھے۔ بعض صحابہؓ مثلاً عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ نے، آنحضرت ﷺ کے سامنے کئی دفعہ قرآن پڑھا ^(۱۰) اور جب آخر پر عرب کے مختلف قبائل اور علاقوں پر اسلام پھیلا تو سب سے پہلے وہاں معلم قرآن صحابہ

اور اس کے ساتھ ہی سب مسلمانوں کو نمازوں کے اندر اور نمازوں سے باہر بھی قرآن کی بقدر استطاعت باقاعدہ اور روزانہ تلاوت کا حکم تھا۔ پھر عام روزانہ اور رات دن گھر اور مسجد میں — بکثرت تلاوت کے علاوہ (جس کا عالم یہ تھا کہ مسجد نبوی کے علاوہ مسلمانوں کے گھروں میں سے تلاوت قرآن کی گونج اور شہد کی مکھیاں کی جھنجھناہٹ کی مانند ارتعاش کی آواز سنائی دیتی تھی) یہ بھی ثابت ہے کہ بعض صحابہ ایک دن میں — اس وقت تک نازل شدہ — پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔ جس کی بناء پر آنحضرت (ﷺ) کو یہ حکم دینا پڑا کہ کوئی فرد واحد تین یا پانچ دن سے کم میں ختم قرآن مکمل نہ کرے۔

اس کے علاوہ رمضان المبارک میں پورے قرآن کا اعادہ اور حفظ قرآن کی صحت کی پڑتال اور چیکنگ کا عمل بھی عہد نبوی سے ہی شروع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر رمضان میں — اس وقت تک کے نازل شدہ — تمام قرآن کا جبریلؑ کے ساتھ عرضہ (دورہ) اور زندگی کے آخری رمضان میں دودفعہ دورہ کیا (جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے — اور جس میں مشہور صحابی زید بن ثابتؓ — جو خود بھی حافظ قرآن تھے — آپ کے ساتھ شامل تھے)۔ یہ سب باتیں تو اترے ثابت ہیں۔

اس آخری عرضہ سے قریباً پانچ ماہ بعد آپؐ کی وفات ہوئی اور اس عرصے میں قرآن کا بہت کم حصہ نازل ہوا — اور اس مدت میں آپؐ — بلکہ زید بن ثابتؓ — بھی اسی آخری عرضہ کے مطابق ہی قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ اور یقیناً بہت سے دیگر حفاظ صحابہ نے بھی اپنا علم قرآن تازہ (up-to-date) کر لیا ہو گا — اور اسی بناء پر آگے چل کر عہد صدیقی میں جمع و تدوین قرآن کا کام اور پھر عہد عثمانی میں مصاحف عثمانی کی تیاری کا کام زید بن ثابتؓ سے ہی کرایا گیا۔ اور صحیح قراءات کی تعیین میں بھی عرضہ اخیرہ کی قراءت کو ترجیح دی گئی، جیسا کہ آگے ذکر ہو گا۔

اور پھر عہد نبوت سے لے کر آج تک دنیا بھر کے اسلامی ممالک اور معاشروں میں حفاظت متن قرآن کا یہی (روزانہ اور) سالانہ عمل پورے ذوق و شوق سے جاری چلا آتا ہے — بلکہ چونکہ مسلمانوں کے لئے قرآن کی کتابت اور تلاوت کی طرح حفظ قرآن

بھی فرض کفایہ ہے (یعنی اگر کسی بستی یا علاقے میں کوئی آدمی بھی قرآن حفظ نہیں کرتا تو سب گنہگار ہوں گے)۔ اور اس (حفظ قرآن) کا مقصد تو اتر روایت کا تسلسل اور تحریف و تبدیل سے حفاظت ہے۔ اس لئے نزول قرآن کی ابتداء سے لے کر آج تک غالباً کوئی وقت۔۔۔ دن یا رات۔۔۔ کم از کم عالم اسلام میں ایسا نہیں گزرا جس میں قرآن کریم کی کتابت، حفظ اور تلاوت کا کام جاری نہ رہا ہو۔

دنیا کی کسی مذہبی کتاب کی اس طرح باقاعدہ سالانہ مکمل دوہرائی (اعادہ)۔۔۔ بذریعہ حفظ تو کجا بذریعہ تلاوت و قراءت بھی۔۔۔ نہیں کی جاتی، جب کہ قرآن کریم کی خاطر سال کا پورا ایک مہینہ (رمضان) اس کام (مکمل اعادہ بذریعہ حفظ) کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔

حفظ قرآن کا نظام کی بدولت کتابت مصاحف میں کسی تحریف یا دانستہ تبدیلی کے عدم امکان کے باوجود^[۱] نادانستہ اور سہواً کسی اطمائی غلطی کے بشری امکان کو تو رد نہیں کیا جاسکتا، لیکن کتابت مصاحف میں اس قسم کی کوئی اتفاقیہ غلطی بھی کبھی زیادہ عرصہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔۔۔ اور اسی لئے مسلم معاشروں میں یہ بات ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ ”کوئی نسخہ قرآن (صحف) اغلاط سے یکسر مبرا اور خالی نہیں ہوتا مگر قرآن کبھی غلط نہیں پڑھا جاتا“۔۔۔ اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس کی روزانہ تلاوت لاکھوں بلکہ کروڑوں ایسے ناظرہ خواں مسلمان بھی کرتے ہیں جو خود اپنی زبان میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔۔۔ اور خود حفاظ قرآن میں سے بھی خاصی بڑی تعداد اس قسم کے ”ناخواندہ“ بلکہ بسا اوقات ”ناپیدا“ لوگوں کی ہوتی ہے جن کی زبانوں پر قرآن صحت قراءت کے ساتھ جاری رہتا ہے۔

اور خود قرآن کریم کی اس ناظرہ خوانی (Visual lection) کی تدریس اور تعلیم کی نگرانی کا کام بھی زیادہ تر حفاظ قرآن ہی کرتے ہیں۔ اور اس عمل کے ذریعے زیر تلاوت مصاحف کی تصحیح کتابت کا کام بھی خود بخود جاری رہتا ہے۔۔۔ جب کہ حفظ قرآن میں حفاظ کی ممکنہ غلطیوں کی تصحیح کا کام ہر سال دوران رمضان (قرآن سننے سنانے

سے) تکمیل پذیر ہوتا رہتا ہے۔

اور یوں حفظ، کتابت اور تلاوت کے اس مسلسل اور متواتر عمل کی بدولت قرآن کریم کو ابتداء سے لے کر آج تک بلکہ تاقیامت ابدی حفاظت کی ایسی ضمانت اور گارنٹی حاصل ہو گئی ہے جس کے سامنے کمپیوٹر بھی پیچھے ہے۔ آج اگر بفرض محال کسی آفت کی وجہ سے دنیا بھر کے ہر ایک مذہب کی بنیادی دینی کتاب کے تمام کے تمام نسخے تلف اور نیست و نابود ہو جائیں یا کر دیئے جائیں — تو قرآن اور صرف قرآن ہی کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ صرف ایک نہیں بلکہ — مراکش سے انڈونیشیا تک — متعدد اور مختلف ملکوں میں بے شمار ایسے لوگ (حفاظ) مل کر دونوں یا ہفتوں کے اندر ہر طرح سے مکمل مصاحف (قرآنی نسخے) تیار کر لیں گے، بلکہ ایسے نسخے رسم و ضبط کی صحیح ساختہ غالباً بچے تمام مستند اختلافات قراءات کے بھی (جن کا ذکر ابھی ہو گا) آئینہ دار ہوں گے، کیونکہ جس اسلامی ملک میں جو خاص قراءات متداول ہے اس کے حفاظ بھی بکثرت موجود ہیں۔

اور یہاں اس — بظاہر تعجب انگیز — حقیقت کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حفاظت متن قرآن — بذریعہ حفظ و کتابت و تلاوت — کے اس حیرت انگیز حد تک مربوط نظام میں قراءات کے بعض اختلافات اور تنوعات بھی عہد نبوی سے قائم اور شامل چلے آتے ہیں، جن کی اصل تو بتواتر ثابت حدیث ”احرف سبعة“ ہے (جس پر مفصل بحث علم القراءات کا موضوع ہے) اور بلحاظ نوعیت ان اختلافات قراءات میں سے بعض کا تعلق کلمات کی بناء و اشتقاق کے (صرنی و نحوی) تغیرات سے بھی ہوتا ہے اور زیادہ تر کا تعلق نطق و تلفظ کی خصوصیات، لہجائی امتیاز اور طریق اداء سے ہوتا ہے۔

یہ ثابت ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بہت سے کلمات کو ایک سے زائد صورت میں پڑھا ہے^(۱۲) جس سے صوتی (لہجائی) اور معنوی تنوع پیدا ہوتا ہے۔ مزید برآں آپ نے احرف سبعہ والے اصول کے تحت ہی سولت کی غرض سے مختلف قبائل کو اپنے اپنے لہجات (dialects) کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت دی۔

اور اسی نبوی تعلیم اور نبوی اجازت کے باعث عہد نبوی ﷺ میں بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم)

کے انفرادی طور پر تیار کردہ مصاحف میں اس قسم کے اختلافات قراءات موجود تھے جو آگے ان صحابہ کے تلامذہ میں منتقل ہوئے۔

پھر جب اسلامی فتوحات کی وسعت کے ساتھ اصل تعلیم کردہ متنوع قراءات کے ساتھ 'اجازت یافتہ تنوعات اور بعض دیگر اسباب (مثلاً نو مسلم عناصر کی جہالت یا فساد نیت وغیرہ) کی بناء پر یہی اختلافات قراءات اغلاط اور نزاع کی صورت اختیار کرنے لگے [خیال رہے کہ خود صحابہؓ آنحضرت (ﷺ) کی تعلیم کے مطابق اس قسم کے اختلافات پر جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر آج قراءت حفص (جو زیادہ رائج ہے) کے مطابق قرآن پڑھے کسی آدمی کے سامنے کوئی قاری کسی دوسری مستند قراءت مثلاً ورش، قالون یا الدوری (جن کی قراءات مختلف افریقی ممالک میں متداول ہیں) اور غلوہ کی قراءات کے مطابق تلاوت کرے تو کوئی اہل علم تو اسے غلط نہیں کہے گا مگر کسی کم علم آدمی کا رد عمل ناگوار ہو سکتا ہے] تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ——— آنحضرت (ﷺ) کی وفات سے صرف پندرہ برس کے اندر (۱۳) مشہور صحابی حدیفہؓ بن الیمان کی تجویز پر ——— اور بقول شیعہ حضرت علیؓ کے مشورے پر (۱۳) اور صحابہ کے جم غفیر کے اجماع سے ——— اور آنحضرت (ﷺ) سے براہ راست یا آپ کی زندگی میں مکمل قرآن حفظ کر لینے والے ماہرین اور اصحاب اختصاص کی ایک کمیٹی کی نگرانی میں آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ عرضہ اخیرہ میں شامل ہونے والے صحابی حضرت زید بن ثابت (جو عہد نبوی میں کتابت وحی کا کام کرنے کے علاوہ عہد صدیقی میں حفظ و کتابت کی مدد سے ترتیب تلاوت کے مطابق قرآن کریم کی بصورت مصحف جمع و تدوین کے بھی انچارج رہے تھے) کے ہاتھوں ——— اور مصحف صدیقی ہی کی روشنی میں ——— سات یا آٹھ مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) تیار کر کر تمام اہم مرکزی اسلامی شہروں میں بھجوائے گئے۔ بلکہ ہر ایک مصحف کے مطابق پڑھانے اور شتوی (زبانی) تسلیم دینے کے لئے ایک ایک حافظ قرآن معلم بھی بھیجا گیا ——— اور اس وقت سے آج تک دنیا بھر میں متداول مصاحف ان مصاحف عثمانی ہی سے بذریعہ حفظ و کتابت نقل در نقل ہوتے

چلے آتے ہیں (۱۵)

ان مصاحف عثمانی میں (جن کی تیاری کا قصہ انتہائی اختصار کے ساتھ اوپر مذکور ہوا ہے) قراءات کے تمام مستند بالتواتر اور عرضہ اخیرہ میں ثابت اختلافات اور تنوعات کو شامل کر لیا گیا تھا جس کے لئے بیشتر مختلف فیہ کلمات کو تو ایک مخصوص محتمل القراء تین طریق الماء کے مطابق لکھا گیا۔ اور جن کلمات میں ایسا ممکن نہ تھا ان کو کسی مصحف میں ایک قراءت کے مطابق اور کسی دوسرے مصحف میں دوسری قراءت کے مطابق لکھا گیا۔ اور ان تمام مصاحف میں اختیار کردہ طریق الماء کو رسم عثمانی یا رسم مصحف کہا جاتا ہے۔

اس رسم کی بنیاد صحابہؓ کی اکثریت سے بتواتر ثابت قراءات ہی تھیں۔ یعنی قراءات اصل اور رسم اس کے تابع تھا اور اشتمال قراءات کی بناء پر اس رسم کو نقطہ و شکل (اجماع و حرکات) سے خالی رکھا گیا تھا۔۔۔ تاہم اس رسم کا پڑھنا محض لغوی و نحوی امکانات پر منحصر نہ تھا بلکہ اسے قرآن کریم کی عمد نبوی سے رائج شفوئی (زبانی) تعلیم بذریعہ تلقی و سماع اور صرف سنت سے ثابت قراءات کے تابع کر دیا گیا تھا۔ اور ہر مصحف (نسخہ) کے ساتھ ایک قاری معلم بھی اسی لئے بھیجا گیا تھا۔ اور ان ہی معلم قراء کے ذریعے مختلف شہروں میں مستند اختلافات قراءات میں سے کسی ایک قراءت اور کہیں دوسری قراءت کا رواج ہوا۔ یوں اس رسم کی بدولت اور اس کی تعلیم کو ثابت بالسند قراءات کا پابند کر دینے سے اختلافات قراءات محدود ہو گئے۔

یوں احرف سبعہ کے تحت اجازت یافتہ یا بعض صحابہ کے انفرادی طور پر تیار کردہ مصاحف کی بناء پر تعلیم کردہ یا دیگر اسباب کے نتیجے میں پیدا شدہ تمام غیر مستند اور غیر معتمد علیہ قراءات کو صحابہ کے اجماعی فیصلے سے، بطور قرآن لکھنا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ تاہم مصاحف عثمانی کی تیاری سے قبل تک روئنا ہونے یا رواج پانے والی یا بعض صحابہ کے انفرادی مصاحف میں وارد مگر لمحاظ اجماع ضعیف اور شاذ قراءات کو بھی بعض دوسرے مقاصد مثلاً تفسیری، لغوی اور نحوی اغراض کے لئے استعمال کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اور ان اغراض کے لئے امت کے اہل علم ہمیشہ ان قراءات کا ذکر اپنے اپنے فن کی کتابوں میں کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے کہ خبر واحد ہونے (اور لہذا

قرآن سے خارج ہونے) کے باوجود ان میں لغت و ادب اور صرف و نحو کے نقطہ نظر سے ایک قوت استشاد موجود ہے۔ بلکہ قراءات (اور اس کے نتیجے میں) کتابت کے ان تمام اختلافات کی بلحاظ سند (اس لئے کہ ان کی بنیاد روایت ہی ہے اور روایت کی قوت یا ضعف اسناد پر منحصر ہوتا ہے) دقت نظر کے ساتھ درجہ بندی (مثلاً متواتر، مشہور، ضعیف اور شاذ بلکہ موضوع تک کی صورت میں) کر لی گئی ہے۔

قوت سند اور تواتر روایت سے ثابت شدہ اختلافات و تنوعات — جن کو صحابہ کے جم غفیر کے اجماع سے صحیح قرآنی قراءات کا درجہ دیا گیا — اور جو مصاحف عثمانی میں شامل تھیں — اور جو اس وقت سے آج تک مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) میں لکھی پڑھی جاتی ہیں۔ ایسی تمام قراءات حفظ قرآن کے لحاظ سے نمایاں طور پر نامور صحابہ اور تابعین کے تلامذہ میں سے جاز، عراق اور شام (جہاں مصاحف عثمانی کے ہمراہ قاری مسلمان بھیجے گئے تھے) کے منتخب، معروف اور مستند ترین قراء کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں، جنہوں نے زندگی بھر صرف قراءات کی تعلیم و تعلم کو ہی اپنا اختصاص (specialization) بنایا (اور دیگر علوم مثلاً حدیث و فقہ وغیرہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے) اور جن کے کثیر التعداد اساتذہ اور تلامذہ کے وسیع سلسلے مشہور و معروف ہیں۔ ایسی تمام قراءات ان نامی قراء کے ناموں کی نسبت سے (جو نسبت اختصاص ہے نہ کہ نسبت ایجاد) باہم متمیز اور منتخب و ممتاز قراء کی تعداد کی مناسبت سے بلحاظ عدد القراءات السبع (سات قراءات) کہلاتی ہیں اور ان میں مزید مشہور قراء کے اضافے سے مستند قراءات کی تعداد دس (القراءات العشر) بھی شمار ہوتی ہے اور یہ تمام قراءات حفظ و کتابت قرآن میں مستعمل اور متداول ہیں^{۱۶}

اور یہ بات خصوصاً قابل ذکر ہے کہ جس طرح مختلف فرقوں کے باوجود قرآن کریم ہر طرح کی تحریف سے محفوظ رہا، اسی طرح — بلکہ اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان سات یا دس قراء کے مستند اختلافات، جو ان قراء کے چوٹی کے تلامذہ سے روایات (کی تدوین بصورت کتب قراءات) کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ ایسے تمام قراءات کی اختلافات و تنوعات بھی امت کے تمام فرقوں کے نزدیک مسلم اور معتبر ہیں۔ مثلاً شیعہ

بھی (جن کا کردار اسلام میں ہمیشہ نمایاں منفی اپوزیشن گروپ کارہا ہے) کے نزدیک بھی یہی قراء اور ان کی قراءات مستند ہیں ^(۱۷)۔

اور امت کے اہل علم جس طرح قرآن کریم کے ان تمام مسلمہ و مستند اختلافات قراءات سے بخوبی واقف ہیں جو عہد نبوی سے ثابت ہیں اور جن کو مصاحف عثمانی کے رسم میں شامل کر لیا گیا تھا اور جو بعد میں سات یا دس مشہور قراء کی نسبت سے مدون کر لی گئیں، اسی طرح اہل علم مسلمان ان تمام لمحاظ سند ضعیف (اور لہذا بطور قرآن متروک) اختلافات قراءات کے وجود سے بھی آگاہ ہیں جو مختلف اسباب کی بناء پر مصاحف عثمانی کی تیاری سے پہلے تک رواج پا چکی تھیں، بلکہ جن کا وجود ہی مصاحف عثمانی کی تیاری کا باعث بنا — اور یوں اس لحاظ سے بھی قرآن کریم دنیا بھر کی واحد دینی کتاب ہے جس کی علمائے اہل بیت علیہم السلام کے تلفظ یا اطاء میں کوئی بھی (مستند یا غیر مستند) اختلاف ہوا ہے تو اس کا بھی مکمل ریکارڈ موجود ہے ^(۱۸) اور اس ریکارڈ کی لمحاظ ثقاہت اور استناد درجہ بندی بھی کر لی گئی ہے۔

کتب قراءات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ سات (یا دس) مسلمہ اور متداول قراءات کے اختلافات (جو لمحاظ نوعیت کلمات کی بناء اور اعراب سے لے کر ان کے نطق اور طریق اداء تک پر مشتمل ہیں) قرآن کریم کے بارہ سو (۱۲۰۰) سے زائد کلمات کے بارے میں واقع ہوئے ہیں ^(۱۹) جب کہ ان مسلمہ قراءات سے خارج اختلافات (جو آحاد و شواذ پر مشتمل ہیں) قرآن کریم کے دس ہزار سے زائد کلمات (اور مقامات) کے بارے میں بیان ہوئے ہیں ^(۲۰) اور ان مختلف فیہ کلمات کی اتنی زیادہ تعداد کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے متعدد کلمات قرآن کریم میں بکثرت تکرار کے ساتھ وارد ہوئے ہیں۔ صرف سورۃ الفاتحہ کی مثال لیجئے، اس میں معروف و مستند سات یا دس قراءات کے مطابق کل چار کلمات کے بارے میں اختلاف قراءات ہے، جبکہ متروک القراءۃ اختلافات (آحاد و شواذ) انیس کلمات کے بارے میں مذکور ہیں۔ پھر بعض دفعہ ایک ہی کلمہ کی متعدد (مقبول یا مردود) قراءات آئی ہیں۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ ہی میں سات یا دس مسلمہ قراءات کے مطابق لفظ ”مَلِکُ“ کی دوسری صحیح ثابت بالسنہ قراءت تو ”مَلِکِ“ ہے، جبکہ خارج

از سبب قراءت (آحاد و شواذ) کے مطابق صرف اسی ایک کلمہ (مالک) کی پندرہ مزید صورتیں بیان ہوئی ہیں۔

اور یہی وہ کثیر الاختلافات قراءت تھیں جو مصاحف عثمانی کی تیاری سے پہلے مصاحف میں بطور قرآن پڑھی جاتی رہیں^(۲۱) اور جن میں غلط اور صحیح قراءات خلط ملط ہونے لگی تھیں اور جن پر کم علم عامۃ الناس جھگڑنے لگے تھے۔ مصاحف عثمانی میں سند کی قوت کی بناء پر ثابت تمام صحیح قراءات کو رسم المصنف کے ذریعے (ایک ہی یا متعدد مصاحف میں) شامل کر لیا گیا۔ تاہم چونکہ اس رسم کو پھر بھی (بوجہ عدم نقط و اعجام) غلط بھی پڑھے جانے کا امکان موجود تھا اس لئے اس کا پڑھنا (ساتھ بیٹھے گئے) قاری اساتذہ کی شغوی تعلیم کے ذریعے تابع سنت کر دیا گیا۔ جو آگے چل کر بذریعہ ضبط (حرکات) مزید مستحکم ہو گیا۔ تاہم قرآن کی درست قراءت و تلاوت کی تعلیم کے لئے استاد کی شغوی تعلیم ہمیشہ ناگزیر سمجھی گئی ہے، کیونکہ قراءت و تجوید (خصوصاً طریق نطق و اداء) میں کئی چیزیں ایسی ہیں جو بذریعہ تحریر و کتابت بیان ہی نہیں کی جاسکتیں، بلکہ ان کی تعلیم و تنظیم صرف استاد کی شغوی تعلیم سے ہی ممکن ہے، مثلاً روم، ہشام و اخلاص، امالہ، تنخیم، ترقیق، تسبیل اور بین بین وغیرہ۔

اس طرح مصاحف عثمانی کے ذریعے صحت قراءت کی بنیاد ”رسم کی موافقت“ اور ”سند کی قوت“ کو قرار دیا گیا جس سے ایک تیسری بنیاد ”عربیت“ (لغوی نحوی درستی) خود بخود حاصل ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ (اور ان کی قائم کردہ کمیٹی) کا مقصد تمام مختلف قراءات (غلط یا صحیح) کو ختم کر کے صرف ایک ہی قراءت (اور طریق نطق و اداء) کو رائج کرنا نہیں تھا اور ایسا کرنا ان کے بس سے باہر اور ناممکن بھی تھا۔ اس لئے کہ بعض اختلاف قراءات تو عہد نبویؐ بلکہ تعلیم نبویؐ سے ثابت تھے۔ حضرت عثمانؓ کا اصل کام امت کو قرآن کریم کے لئے ایک ہی طریق اطاء (رسم) پر جمع کرنا تھا۔ اور اسی لئے یہ مجمع علیہ رسم آج تک (رسم عثمانی) بھی کہلاتا ہے۔ اور یہی رسم تمام مستند اختلافات قراءات کا جامع بھی تھا۔ اور اسی لئے آج تک کتابت مصاحف میں اسی طریق اطاء (رسم المصنف) کی بھی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے کہ

اس میں کسی نہرہ (دندانہ) تک کی کمی بیشی نہیں کی جاتی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا مستند یا غیر مستند قراءات کے علاوہ بھی ——— تفسیر اور لغات و اعراب کی کتابوں میں متعدد مقامات پر کسی قرآنی لفظ یا عبارت کی بحث میں اکثر یہ لکھا ہوتا ہے کہ اگر اس پر (لفظ یا عبارت) کو یوں (یعنی ایک دوسرے طریقے پر) پڑھا جائے تو بھی لمحاظ عربیت بالکل درست ہو گا (اور معنی میں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا) ——— مگر ایسا کیا نہیں جاتا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ قراءات کی بنیاد تو روایت سنت اور قوت سند پر ہے (نہ لغوی نحوی امکانات پر) ——— حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ خود قرآن کریم میں (لمحاظ قراءت و کتابت) دو طرح آیا ہے تو بھی جہاں جس طرح آیا ہے وہاں اسی طرح لکھا اور پڑھا جائے گا ——— مثلاً ”يَنْزِلُ كَرُونَ“ کو ”يَنْزِلُ كَرُونَ“ اور ”يَنْزِلُ“ کو ”يَنْزِلُ“ بھی پڑھ سکتے ہیں اور قرآن کریم میں ان افعال کی دونوں صورتیں مختلف جگہ وارد ہوئیں ہیں، مگر جہاں جو لفظ جس طرح آیا ہے وہاں اسی طرح لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی عبارت پر ایک معنی و مفہوم والے متبادل کلمات کا بیک وقت استعمال (تعدد قراءات) بذات خود کوئی خرابی نہیں بلکہ خوبی ہے اور یہ زبان کی قوت اتساع اور صاحب کلام کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے اور اسی لئے یہ چیز اعلیٰ ادبی نصوص کی ایک خصوصیت شمار ہوتی ہے ——— اور قرآن کریم کی حد تک تو یہی چیز (جسے ہم اختلاف قراءت کہتے ہیں) بلاغت کی انتہاء، ایجاز، قلت الفاظ مع کثرت معانی، کا جمال اور اعجاز کا کمال ہے کہ اتنے اختلافات و تنوعات کے باوجود کہیں معانی میں تضاد یا تناقض نہیں۔ بلکہ اس (اختلاف قراءات) کے بعض مزید لغوی اور شرعی منافع اور فوائد بھی ہیں جن کو کتب قراءات میں بیان کیا گیا ہے {۲۲}۔

رسم عثمانی کے اندر محدود اور لمحاظ روایت مستند قراءاتی اختلافات (جو سات یا دس مشہور قراءات پر مشتمل اور ان کی اصل ہیں) ہمیشہ سے اہل علم (قراء) کے مطالعہ و دراسات اور ان کے عملی اطلاقات اور شفوی (زبانی) تعلیمات کا موضوع رہے ہیں۔ بلکہ مختلف عوامل کی بنا پر بعض علاقوں میں بعض خاص قراء کی روایات قراءات زیادہ مقبول

اور رائج ہوئیں اور وہاں کے مصاحف بلحاظ رسم و ضبط اسی خاص (متداول) قراءت کی روایت کے مطابق لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً تمام ایشیائی ممالک (اور افریقہ میں سے مصر میں روایت حفص (عن عاصم الکوفی) عام ہوئی۔ مغربی اور شمالی افریقہ میں ورش اور قالون (عن نافع المدنی) کی روایتوں کو پذیرائی ملی۔ سوڈان اور بعض دیگر علاقوں میں الدوری (عن ابی عمرو البصری) کی روایت کو فروغ حاصل ہوا۔ اور قلمی دور کے بعد آج کے دور طباعت میں بھی ان خطوں کے مصاحف وہاں کی رائج و متداول روایت قراءت کے مطابق ہیں۔

بلکہ قراءت و کتابت کلمات میں بھی ان مستند اختلافات و تنوعات کے علاوہ بعض دوسرے توقیفی (آنحضرت ﷺ کے بتائے ہوئے) امور مثلاً اسماءُ سور اور تعدادِ آیات میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً قرآن کریم کی سولہ کے قریب سورتوں کے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔ اسی طرح سورتوں کی آیات کی گنتی میں بھی بوجہ روایت اختلاف ہے۔ اور یہ تمام مختلف النوع مگر مستند اور معتد علیہ اختلافات اہل علم میں معروف ہیں۔ چنانچہ اگر کسی ایک مصحف (نسخہ قرآن) میں مثلاً ایک سورت کا نام ”المومن“ لکھا ہو اور کسی دوسرے علاقے کے مصحف میں اسی سورت کا نام ”عافر“ درج ہو یا دو مصاحف میں بعض سورتوں کی آیات کی گنتی میں فرق ہو، مثلاً کسی مصحف میں سورۃ البقرہ کی ایک آیت کا نمبر ۲۱۹ ہو جبکہ کسی دوسرے مصحف میں اسی آیت کا نمبر ۲۱۰ دیا گیا ہو۔ بلکہ اگر کسی ایک مصحف میں سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۳۵ (بلحاظ کوئی گنتی) میں کلمہ ”منہا“ (واحد مونث غائب ضمیر کے ساتھ) لکھا ہے جبکہ کسی دوسرے علاقے کے مصحف میں اسی آیت کا یہی لفظ بصورت ”منہما“ (ثنیہ غائب کی ضمیر کے ساتھ) لکھا ہو۔ یا مثلاً کسی ایک مصحف میں سورۃ الزخرف کی (بلحاظ کوئی گنتی) آیت نمبر ۴۱ میں لفظ ”نشتہیہ“ لکھا ہو جبکہ کسی (دوسری قراءت والے) مصحف میں اسی آیت کا یہی لفظ ”نشتہی“ (آخری ضمیر منصوب کے حذف کے ساتھ) لکھا ہے، تو کسی بھی اہل علم مسلمان کے لئے ایسے مسلمہ، معتبر اور متداول اختلافات کسی شک و شبہ تو کجا تعجب کا باعث بھی نہیں بن سکتے۔ البتہ کم علم مسلمانوں کو ایسے مواقع پر شاید کتابت کی غلطی کا

احساس ہو، یا پھر غیر مسلموں کے نام نہاد سکارلز ("اہل علم") کو ان اختلافات میں بھی فتنہ، تشکیک کے لئے کوئی کرن نظر آئے۔

اسی طرح جب کوئی اہل علم مسلمان تفسیر، ادب، لغت یا نحو کی کسی کتاب میں کسی کلمہ کے "یکے از قراءات" مذکور ہونا پڑھتا ہے جب کہ اس قراءت کا کسی بھی مصحف کے متن میں کہیں وجود نہیں ملتا تو اسے کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تمام اہل علم مسلمان اس قسم کی غیر مستند (اور شاذ) قراءات کے وجود سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں حفظ و تحفیظ قرآن کے متعلق اور پھر اختلافات قراءات کی حقیقت اور کیفیت کے بارے میں قدرے مفصل بات (تمہیداً) اس لئے کی ہے کہ آگے چل کر ہم صلیبیوں اور صیبونیوں (مسیحیوں اور یہودیوں) کی قرآن دشمنی کے جن پہلوؤں کا ذکر کریں گے ان میں سے کئی لوگوں کو متوجہات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ لوگ قرآن میں طعن و تشکیک کے بارے میں جو کچھ گرد و غبار اڑاتے ہیں اس میں حفاظت قرآن بذریعہ حفظ و استظهارِ قلب کا ذکر ہی گول کر جاتے ہیں اور کتابت قرآن کے احوال تک محدود رہتے ہیں اور اس میں بھی عموماً اپنی دینی کتابوں (اناجیل یا بائبل) کی (ابتدائی) صدیوں بعد ہونے والی تدوین و تکمیل پر ہی قیاس کرنے کے دائرے سے باہر نہیں نکل پاتے۔ اس کا سبب نیت کی خرابی، ہٹ دھرمی اور اندھا تعصب بھی ہو سکتا ہے۔ اور شاید اس میں اس حقیقت کا بھی دخل ہے کہ وہ لوگ دینی کتابوں کے بارے میں حفاظت متن کے لئے کتابت کے ساتھ ساتھ حفظ و تلاوت متن کے متواتر اور مسلسل عوامی عمل کی افادیت تو درکنار اس کے تصور سے بھی نا آشنا ہیں۔ جس کا ذاتی تجربہ راقم السطور کو پنجاب یونیورسٹی کے ایک انگریز مسیحی پروفیسر کے ساتھ بعض قرآنی آیات کے مطلوبہ تمام حوالے بغیر انڈیکس محض حافظہ کی مدد سے زبانی بتانے پر ہوا۔ اور اسی جمالت کی بنا پر ان لوگوں نے محرف مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) تک شائع کر ڈالے، جس کا ابھی آگے ذکر آئے گا۔

[خیال رہے قرآن کریم تک تو براہ راست رسائی ابتداء ہی سے ہر مسلمان کے لئے صرف ممکن ہی نہیں بلکہ فرض عین تھی۔ جبکہ یہود و نصاریٰ میں بائبل یا اناجیل کا پڑھنا پڑھنا ایک اقل قلیل گروہ تک محدود تھا۔ اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ صلیبی اور صیبونی

قرآن پر بات کرتے وقت اپنے اس تاریک اور محدود ذہنی خول سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اسی طرح یہ لوگ ہماری ہی کتابوں سے ڈھونڈ کر غیر مستند قراءات کو ہمارے نام نہاد مغرب کے تعلیم یافتہ مگر اپنے علوم اور ثقافت سے نابلد لوگوں کے سامنے یوں پیش کرتے ہیں گویا کوئی نیا علمی انکشاف کر رہے ہیں جو مسلمانوں سے پوشیدہ چلا آتا ہے یا شاید انہوں نے اسے عمدہ اچھا رکھا ہے۔ جیسا کہ آر تھر جیفری نے کیا ہے جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔

(جاری ہے)

حواشی

{۱} "Islam our choice" کی قسم کی کتابوں میں پڑھے جاسکتے ہیں۔ ریاض سے نکلنے والے ماہنامہ "الفیصل" کے ہر ایک شمارے میں "الطریق الی اللہ" کے عنوان سے کسی ایک موضوع پر مباحثہ ہوتا ہے۔۔۔ کا واقعہ مذکور ہوتا ہے۔

{۲} سب سے پہلے جن اہل علم نے قرآن کے خلاف مختلف مطاعن اور شکوک و شبہات کے رد میں قلم اٹھایا ان میں نمایاں نام ابن عبیدہ (عبد اللہ بن مسلم) الدیوری (ت ۲۷۶ھ) کا ہے۔ دیکھئے ان کی کتاب "تاویل مشکل القرآن" ص ۲۵-۶۵

{۳} دیکھئے الرافعی، 'اعجاز القرآن' ص ۱۶۱ تا ۱۶۸ اور مالک بن بنی الظاہرة القرآنیۃ، ص ۴۰

{۴} اس کے بعض نمونوں کا ذکر دکتور لیب السعید نے اپنی کتاب "الجمع الصوتی الاول للقرآن" میں کیا ہے؛ دیکھئے کتاب مذکور، ص ۳۲۹ تا ۳۵۶

{۵} مثلاً دیکھئے الطبری تفسیر، مجمع البیان، ج ۱ ص ۳۰۔ عبد اللہ دراز۔ المدخل الی القرآن، ص ۳۹-۴۰۔ لیب السعید الجمع الصوتی الاول، ص ۳۵۴-۳۵۷

{۶} اس قسم کے مطاعن کی تفصیل اور ان کے رد کے لئے دیکھئے دکتور لیب السعید کی "الجمع الصوتی الاول" ص ۳۲۵ تا ۳۵۷

{۷} دیکھئے الرافعی، 'اعجاز القرآن' ص ۴۲

{۸} دیکھئے عبد اللہ دراز "المدخل الی القرآن" ص ۳۹-۴۰ اور معجم القراءات القرآنیۃ (احمد مختار و عبد العال) ج ۱ ص ۴-۵

{۹} یاد رہے کہ قراءت (reading) خاموش بھی ہو سکتی ہے۔ مگر تلاوت (recitation) کا مطلب ہی اتنی اونچی آواز سے پڑھنا ہے جسے کم از کم پاس بیجا آدمی سن سکتا ہو اور یہ چیز تلفظ کا نام ہے۔

{۱۰} دیکھئے الترجمانی ”تاریخ القرآن“ ص ۳۵-۳۸، البرسی ”معجم البیان“ ج ۱ ص ۳۱

{۱۱} اگرچہ بعض اعدائے اسلام نے ہمارے زمانے میں اس خباثت یا حماقت کی کوشش کی ہے جیسا کہ اس کا بھی آگے اسرائیلی سیمونی سازشوں کے بیان میں محرف نسخہ قرآن کی اشاعت کا ذکر آئے گا۔

{۱۲} جس کی ایک واضح مثال نمازوں میں روزانہ پڑھی جانے والی سورۃ -- الفاتحہ -- میں ”مالک“ اور ”ملک“ کی قراءت ہے۔

{۱۳} جیسا کہ ابن حجر نے تصریح کی ہے، دیکھئے ”معجم القراءات“ ج ۱ ص ۶۱ بحوالہ فتح الباری {۱۴} دیکھئے الترجمانی ”تاریخ القرآن“ ص ۶۵-۶۸

{۱۵} معروف فرانسیسی مستشرق لوبوا (leblois) نے اپنی کتاب ”قرآن اور عبرانی تورات“ (le Koran la Bible Hebriaque) میں مسلمانوں کے عہد ابی بکرؓ اور پھر عہد عثمانؓ میں قرآن مجید کے نسخے جمع کر لینے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”کونسا مسیحی یہ تمنا نہ کرے گا کہ کاش مسیحؑ کے (معاصر) طلاندہ بھی مسیحؑ کے فوراً بعد (اسی طرح) اس کی تعلیمات کو جمع اور مدون کرنے کا کام کر جاتے (دیکھئے عبد اللہ دراز ”المدخل الی القرآن“ ص ۲۶)

{۱۶} ان مشہور قراء کے نام مع نسبت و سن وفات یوں ہیں (۱) ابن عامر شامی ۱۱۸ھ، (۲) ابن کثیر مکی ۱۲۰ھ، (۳) عاصم کوئی ۱۲۸ھ، (۴) نافع مدنی ۱۶۹ھ، (۵) ابو عمرو بصری ۱۵۳ھ، (۶) حمزہ کوئی ۱۵۶ھ، (۷) الکسانی کوئی ۱۸۹ھ، (۸) ابو جعفر مدنی ۱۳۰ھ، (۹) یعقوب الحمیری ۲۰۵ھ، اور (۱۰) خلف کوئی ۲۲۹ھ....

{۱۷} مثلاً دیکھئے البرسی ”معجم البیان“ ج ۱ ص ۲۳-۲۵، الترجمانی ”تاریخ القرآن“ ص ۸۰-۸۶ اور الخوئی ”البیان“ ص ۱۳۰-۱۶۰

{۱۸} دیکھئے البرسی ”معجم البیان“ ج ۱ ص ۳۰-۳۱ بحوالہ السید الشریف المرتضیٰ

{۱۹} جن آیات میں یہ اختلافات واقع ہوئے ہیں ان کی اجمالی فہرست کے لئے دیکھئے ابن مجاہد کی ”کتاب السبقہ“ ص ۷۰۵-۷۸۷ اور ابن مہران کی ”الغایہ فی القراءات العشر“ ص ۳۰۵-۳۳۷

{۲۰} دیکھئے ”معجم القراءات القرآنیہ“ آٹھویں جلد کے آخر پر

{۲۱} الابانہ للمکی، ص ۸۰

{۲۲} مثلاً دیکھئے ”معجم القراءات القرآنیہ“ ص ۱۲۳-۱۲۴، تقریب النشر لابن